© rasailojaraid.com

حجاب اور بے حجابی

از

زعیم اسلام امیر شکیب ارسلان

مترجمہ جناب حکیم سید محمد شعیب صاحب

چند سال ہوئے عالم اسلامی کے مشہور لیڈر امیر شکیب ارسلان کا ایک مضمون مصر و شام اور دوسرے ممالک کے عربی اخبارات میں شائع ہوا تھا جس میں خواتین اسلام کی تعلیم اور ان کی آزادی کے حدود پر صحیح اسلامی نقطۂ نظر بیان کیا گیا تھا معلوم نہیں کہ ہندوستان تک بھی وہ پہنچا یا نہیں۔ میں نے نیویارک کے جریدہ "البیان" سے اس مضمون کا اقتباس کیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین ترجمان القرآن دلچسپی کے ساتھ اس کا مطالعہ فرمائیں گے۔ یہ ملحوظ خاطر رہے کہ امیر شکیب ارسلان کی رائے کسی دقیانوسی خیال پرانے ملا کی رائے سمجھ کر نظر انداز نہیں کیجا سکتی بلکہ یہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جس کو یورپ کی سیاحت اور یورپین تہذیب کے مطالعہ اور اساطین تہذیب مغربی کے ساتھ مبادلۂ خیال کے اتنے مواقع ملے ہیں جتنے شائد ہی۔ ہندوستان، ایران، مصر اور ٹرکی کے کسی شخص کو ملے ہوں گے اور اس کے ساتھ یہ بھی بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مشرق کے بہت کم لوگوں کی نظر موجودہ زمانے کے عمرانی وسیاسی مسائل میں اتنی گہری ہوگی جتنی امیر موصوف کی ہے۔ (محمد شعیب)

اب سے تقریباً تین سال پہلے کا واقعہ ہے کہ جرمنی میں زندگی بہت سستی ہو گئی تھی۔ ایک طالب علم وہاں کے کالجوں میں دو یا تین گنی ماہوار پر آسانی گذر کر سکتا تھا۔ میں نے اس موقع سے فائدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اٹھایا، اور اپنے وطن شام و فلسطین کے باشندوں کو توجہ دلائی کہ اس وقت جرمنی میں زندگی خود ہمارے ملک سے زیادہ ارزاں ہے لہذا جو لوگ تنگ دستی کی وجہ سے اپنی اولاد کو تعلیم نہیں دلا سکتے ان کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو جرمنی بھیج دیں، تاکہ وہاں کم سے کم خرچ پر جس کا اس زمانہ میں تصور کیا جاسکتا ہے۔ ان کو زمانہ حال کی بہترین تعلیم حاصل ہو جائے۔ میرا یہ مضمون قدس شریف کے جریدہ "الصباح" میں شائع ہوا، اور اس کے اثر سے تقریباً ۲۰ طالب علم برلین، لائپزگ، کونستانز اور دوسرے مقامات کی یونیورسٹیوں میں تحصیل علوم کے لیے پہنچ گئے۔ اس زمانہ میں جرمنی کی تعلیم اور وہاں کی زندگی کے متعلق جزئی معلومات فراہم کرنے کے لیے مجھ پر سوالات کی اتنی بوچھار ہوئی کہ میں جواب دیتے دیتے عاجز آگیا۔ آخر کار میں نے برلن میں ایک خاص مجلس اس غرض کے لیے قائم کر دی کہ لوگوں کو اس باب میں ضروری معلومات بہم پہنچائے۔

اس سلسلہ میں جن لوگوں نے مغربی تعلیم کے مسئلہ پر مجھ سے استفسارات کیے ان میں ایک صاحب فلسطین کے اکابر میں سے بھی تھے۔ انھوں نے مجھے لکھا کہ جرمنی میں میرے دو بچے تعلیم پا رہے ہیں ایک لڑکا ہے اور دوسری لڑکی ہے۔ لڑکے کی عمر ۸ برس کی ہے اور وہ "جمنازیوم" نامی مدرسہ میں داخل ہے۔ لڑکی ۱۲ سال کی ہے اور وہ وہاں کے ایک زنانہ مدرسہ میں پڑھ رہی ہے۔ صاحب خط نے مجھ سے ان دونوں بچوں کی تعلیم کے متعلق دریافت کیا کہ آیا ان دونوں کو وہیں تکمیل تعلیم تک رہنے دیا جائے یا وطن واپس بلا کر بقیہ تعلیم مکمل کرائی جائے۔ خصوصاً لڑکی کے مسئلہ میں وہ زیادہ متردد تھے، کیونکہ وہ سن رشد کے قریب پہنچ گئی تھی۔

میں نے ان کو جواب دیا کہ لڑکے کو وہاں تکمیل تعلیم کے لیے چھوڑا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس کی عربی تعلیم کا بھی کافی انتظام ہو، کیونکہ جو عرب لڑکا بچپن سے عربی تعلیم حاصل نہ کرے اور جس کو بچپن سے اپنے عرب ہونے کا احساس نہ دلایا جائے، وہ خواہ تعلیم کے کتنے ہی اعلیٰ مدارج تک کیوں نہ پہنچ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے، اس کا شمار ہمارے شجر تہذیب کی صالح شاخوں میں نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ ایک ٹہنی ہے جو ہمارے درخت سے کٹ گئی اور ایک دوسری کیاری میں بو دی گئی۔ اب وہ ہم سے نہیں ہے اور ہمارے لیے اس کا وجود کچھ بھی مفید نہیں۔ رہا لڑکی کا معاملہ تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیا جواب دوں، کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ اس باب میں آپ کا مشرب خاص کیا ہے، اور مسئلہ ایسا ہے جس کا تعلق ہر شخص کے اپنے مشرب سے ہے۔ آپ کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ بچی کو اب جرمنی سے بلا کر باقی تعلیم قدس شریف میں دلائیں، جہاں مجھ کو یقین ہے کہ اس کی تعلیم کے لیے کافی انتظام موجود ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے جرمنی میں رہنے دیں تاکہ وہ ایک اچھی جرمن لڑکی کی طرح اپنی تعلیم پوری کر کے نکلے۔ لیکن پہلی صورت میں آپ اپنی لڑکی کو بعض یورپین زبانوں اور علوم جدیدہ کے ساتھ ساتھ عربی زبان اور اسلامی عقیدہ کی تعلیم بھی دلوا سکیں گے اور وہ ایک مسلمان لڑکی بن کر نکلے گی۔ اور دوسری صورت میں وہ بعض یورپین زبانیں اور جدید علوم تو ضرور سیکھ لے گی، مگر صرف نام کی مسلمان ہوگی اور محض عرف عام کے لحاظ سے اس کو عربیہ کہا جا سکے گا۔ پہلی صورت میں آپ کی بیٹی آپ ہی کی بیٹی رہے گی اور مسلمان کے سوا کسی کی بیوی نہ بنیگی۔ دوسری صورت میں وہ اگر چاہے گی تو آپ کی بیٹی رہے گی اور اگر نہ چاہے گی تو آپ کسی معاملہ میں اس کے ارادہ کو نہ روک سکینگے، اور آپ کے لیے کسی وقت یہ خبر سننا خلاف توقع نہ ہوگا کہ آپ کی صاحبزادی، فلاں جرمن نوجوان کے دام محبت میں گرفتار ہو گئیں اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا، حتٰی کہ یہ سن کر بھی آپ کو اچنبھا کرنے کا حق نہ ہوگا کہ اس نے ایک یہودی نوجوان سے محبت کی اور اپنی زندگی کو اس کے ساتھ منسلک کر دیا۔ پس آپ خود ہی اپنے لیے دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار فرما لیجیے، چونکہ میں اس مسئلہ میں آپ کے مشرب خاص سے واقف نہیں اور نہ آپ کے رجحان قلب کا حال مجھ کو معلوم ہے، اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ ان دونوں میں سے کونسی صورت آپ کو پسند ہے اور کس صورت کے اختیار کرتے سے آپ کو درد سر لاحق ہوگا۔ آپ یہ ہرگز خیال نہ فرمائیں کہ میں آپ کو یہ صورت یا وہ صورت اختیار کرنے

© rasailojaraid.com

کا مشورہ دے رہا ہوں، یا آپ کے لیے ایک صورت کو دوسری صورت پر ترجیح دے رہا ہوں میں نے کوئی بات اس معنی میں نہیں کہی۔ میرے کلام کا مقصود صرف یہ ہے کہ اگر آپ اس بات کو برداشت کرنے کی قدرت اپنے اندر نہیں پاتے کہ آپ کی صاحبزادی ہیٹ اور اسکرٹ پہن کر نکلے اور جو نوجوان اس کو پسند آئے اس کی کمر میں ہاتھ دے کر چلے اور جس سے چاہے خلا ملا پیدا کرے۔ خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اور وہ سب کچھ کرے جو آج مسلمانوں میں جدید ہے، تو آپ کے لیے یہی بہتر ہے کہ آج ہی اس کو جرمنی سے واپس بلالیں قبل اس کے کہ اس کی واپسی کے امکانات کم ہو جائیں، کیونکہ کچھ مدت اور گذر جانے کے بعد اس کی خواہشات کے مرکز سے اس کو پھیر دینا آپ کی قدرت سے باہر ہو جائیگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ یقیناً کسی غیر مسلم سے شادی کرے گی اور حتماً جس جوان کو پسند کرے گی اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیگی۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اس کے ایسا کرنے کا امکان ہے، اور اگر وہ ایسا کرنا چاہے گی تو آپ اس کو نہ روک سکیں گے لیکن اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ جو کچھ ایک جرمن یا کوئی اور یورپین کر سکتا ہے، وہی ایک مسلمان بھی کر سکتا ہے وہ بھی بشر ہے اور ہم بھی بشر ہیں جب ایک یورپین عورت کے لیے اپنے والدین کی رضامندی سے یا بلا رضامندی ایک مسلمان کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے تو ایک مسلمان عورت کے لیے بھی ایک یورپین یا یہودی یا چینی یا بودھ یا ہندو سے رشتہ جوڑنا جائز ہونا چاہیے خواہ والدین راضی ہوں یا نہ ہوں، تو اس مشرب کے لحاظ سے میں آپ سے کہونگا کہ اس کو جرمنی میں تکمیل تعلیم کر لینے دیجیے

پس مسئلہ دراصل رجحان اور نظر کا ہے، جو شخص اس طرف رجحان رکھتا ہے اس کے لیے یہ طریقہ ہے، اور جو اُس طرف رجحان رکھتا ہے اس کیلئے وہ طریقہ ہے لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ اپنی لڑکی کو یورپ بھی بھیجے اور ایسے مدارس میں پڑھائے جہاں نہ عربی کی تعلیم ہے نہ عقائد اسلامیہ کی، اور پھر یہ بھی چاہے کہ وہ دیندار مسلمان عورت رہے اور اپنے ذوق اور مشرب میں ایک مشرقی عورت بن کر اٹھے، وہ دراصل اپنی لڑکی سے خرق عادت کا طالب ہے، جس کا صدور محض اتفاقاً اگر ہو بھی جائے تو یہ خود اس کے فراہم کیے ہوئے اسباب کا فطری نتیجہ نہ ہوگا، بلکہ ایک اتفاقی امر ہوگا، دنیا ہی

© rasailojaraid.com

اتفاقی امر جیسا یہ کہ آپ کسی کو زہر کھلائیں اور وہ اتفاقاً جی نکلے۔

یہاں میں ایک مثال پیش کرونگا۔ ۱۹۰۸ء میں دستور عثمانی کا جب اعلان ہوا تو آزاد خیال ترکوں کے لیڈروں میں سے ایک شخص احمد رضا بک نے کہا۔

"جب تک ایک ترک نوجوان کو اتنی آزادی حاصل نہ ہو کہ وہ غلطہ کے پل پر ایک ترک عورت کے ساتھ چل سکے، اور عورت کا چہرہ نقاب سے معرا ہو، اس وقت تک میں نہیں کہہ سکتا کہ ٹرکی میں کوئی دستور یا آزادی ہے"!

یہ ابتدا تھی۔ اب اس کی انتہا سنیے۔ حال میں یہ اطلاع مجھ کو پہنچی ہے کہ انقرہ کی پارلیمنٹ کے ارکان میں سے ایک شخص فالح رفقی بک جو پہلے شام میں جمال پاشا کا سکرٹری تھا، اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے۔

"جب تک ایک ترک لڑکی کو یہ آزادی حاصل نہیں ہے کہ جس سے چاہے اور جہاں چاہے شادی کر سکے، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، بلکہ جب تک اس کو یہ آزادی حاصل نہیں ہے کہ جس مسلم یا غیر مسلم کے ساتھ چاہے رہ سکے اس وقت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ترکیہ شاہ راہ ترقی پر پہنچ گئی ہے"!

میں نے یہ تحریر خود نہیں دیکھی بلکہ روایتہً سنی ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ صحیح ہے۔

اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ مسئلہ صرف رفع حجاب کا نہیں ہے، اور نہ عورتوں کو مجرد ایاب و ذہاب کی آزادی دینے کا ہے۔ بلکہ یہ ایک طویل سلسلہ ہے جس کی کڑیاں باہم پیوستہ ہیں اور اس کی معصوم ابتدا کو دیکھنے کے ساتھ ضروری ہے کہ اس کی ناگزیر انتہا تک بھی نظر پہنچ جائے۔ جو شخص عورتوں کی مطلق آزادی کا حامی ہے، وہ اگر اس سلسلہ کو انتہائی حدود تک قبول کرنے کے لیے بخوشی آمادہ ہو، اور کمال ترقی اسی کو سمجھتا ہو کہ ایک مسلمان عورت جس نصرانی یا یہودی یا مجوسی کے ساتھ چاہے نکاح یا سفاح کرنے میں آزاد ہو، تو مشکل دور ہو گئی اور کوئی نزاع باقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں رہی۔ اس کے بعد اس بحث کی کوئی ضرورت ہی نہیں کہ حجاب بہتر ہے یا بے حجابی۔ البتہ اگر کوئی شخص حریت اور عدم حریت دونوں کو جمع کرنا چاہے پہلے اس کو آزاد چھوڑدے کہ جہاں چاہے جائے جس سے چاہے ملے جلے ہنسے بولے کھیلے سیر سپاٹے کرے، پھر جب اس کا دل کسی غیر سے الجھ جائے اور وہ اس کے ساتھ رہنا بسنا شروع کر دے، اور قانونی یا غیر قانونی تعلق قائم کرے تو حمیت اور غیرت کا جوش بھڑک اٹھے، تو میں کہونگا کہ یہ غلط ہے، خلاف عدل ہے، عقل اور منطق کے منافی ہے۔

حال میں حجت العرب، استاذ سید مصطفیٰ صادق الرافعی نے ایک کتاب لکھی ہے جو عربی لٹریچر کی بہترین کتابوں میں شمار کرنے کے لائق ہے۔ اس میں انہوں نے ایک مصری نوجوان کے ساتھ اپنی ملاقات کا حال لکھا ہے جو یورپ سے تحصیل علم کرکے تازہ تازہ آیا ہوا تھا اور اس پر فرنگیت پوری طرح مسلط تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

میں نے اس نوجوان سے پوچھا کیا تم مصری ہو؟ اس نے جواب دیا "پورا اور پکا" میں نے کہا کیا تم اپنے علم اور تہذیب کی بنا پر اپنے آپ کو اس لائق سمجھتے ہو کہ تمہارے نمونے پر تمہارے ابنائے ملک کا نشو ونما ہو؟ اس نے کہا میں اس کی توقع رکھتا ہوں۔ میں نے کہا کیا تم شرقی عورتوں کی آزادی مطلق اور مردوں کے ساتھ ان کی پوری مساوات کے قائل ہو اور ان قبروں سے ان کو نکال لانا چاہتے ہو جن کا نام "گھر" ہے؟ اس نے کہا یہ تو میرا مذہب ہے میں نے کہا تمہاری کیا رائے ہے اگر مصری مرد یوروپین عورتوں سے شادیاں کریں اور ان سے اپنے گھروں کو آباد کریں؟ اس نے کہا غالباً ہمارے ملک کی بہتری کے لیے اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس سے ہماری نسلوں میں تازہ خون آئے گا، اور ہماری سوسائٹی میں نظم اور شائستگی پیدا ہوگی اور ہماری معاشرت کی تعمیر نئی بنیادوں پر شروع ہو جائے گی۔ میں نے کہا بارک اللہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ نے خوب فرمایا۔ اب اگر ہم آپ سے مساوات کی درخواست کریں اور کہیں کہ اپنی بہن کو بھی کسی یورپین مرد سے دوستی کرنے اور اس کے ساتھ نکاح یا ازدواج مدنی کر لینے کی اجازت دیں تاکہ وہ بھی ایک یوروپین مرد لیکر آئے جس طرح آپ ایک یوروپین عورت لے کر آئے ہیں پھر ہر مصری عورت اسکی تقلید کرے اور مصری عورتوں کا رشتہ بھی فرنگیوں کے ساتھ قائم ہو جائے تو فرمائیے کہ اس باب میں جناب کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا اعوذ باللہ میں نے کہا خدا تمہاری عقل درست کرے کیا تمہاری غفلت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ جب تک اللہ کی لعنت کو تم اپنی پوری قوم میں لبریز نہ دیکھ لو اسوقت تک تم کو احساس نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کی لعنت ہے؟ اور کیا تم اپنی قوم کا حق اس وقت پہچانتے ہو جب اس کے مٹنے کا وقت قریب آجائے؟ اس نے کہا میں اور مجھ جیسے لوگ شاذ ہیں، مگر قاعدہ کو تو ہمیشہ قاعدہ ہی رہنا چاہیے۔ میں نے کہا کہ تم پر اور تمہارے قاعدہ پر خدا کا غضب ہو۔ بخدا ہمارے ملک کا تم جیسے لوگوں کے وجود سے پاک ہو جانا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ تم ہمارے درمیان رہ کر اختلاط انساب کا فتنہ برپا کرو اور عربیت اور اسلامیت کی جڑیں اکھاڑو۔

یہاں ہمارے مقصد کے لیے استاذ رافعی کی صرف اتنی عبارت کافی ہے جو نتیجہ ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ حاصل ہو گیا، اور وہ یہ ہے کہ عورت کے مسئلہ میں یورپ والوں کی قدم بقدم پیروی کرنے کے چند توابع اور لوازم ہیں جن سے اس مسلک کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم اس مسلک کو اختیار کریں تو ان ناگزیر توابع و لوازم کو بھی ہمیں قبول کرنا پڑے گا۔ پھر اعوذ باللہ کہنے کا کوئی موقع نہیں۔ بلکہ وہاں اعوذ باللہ پایا ہی نہیں جاتا۔ وہ ایک تہذیب ہے اور یہ ایک دوسری تہذیب ہے۔ وہ ایک نظریہ ہے اور یہ دوسرا نظریہ ہے، ہم ان دونوں میں سے کوئی ایک ہی تہذیب اور ایک ہی نظریہ اختیار کر سکتے ہیں۔ دونوں کا اجتماع ممکن نہیں ہے کہ ایک طرف آپ دوسری تہذیب بھی اختیار کریں اور جب وہ اپنے طبعی نتائج کے ساتھ پھل پھول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لائے تو اعوذ باللہ بھی کہیں۔

آپ نے دیکھا! جب استاذ رافعی نے اس مصری نوجوان سے کہا کہ کیا تم اپنی بہن کا کسی یورپین مرد کے ساتھ اختلاط گوارا کر سکتے ہو، تو اس نے کہنے کو اعوذ باللہ کہدیا، مگر فوراً ہی اس کے دل میں کھٹک پیدا ہوئی کہ یہ اعوذ باللہ تو اس قاعدہ کے خلاف ہے جس کے متعلق اس نے چند ہی لمحوں پہلے دعویٰ کیا تھا کہ اصلاح اس کے بغیر نہیں ہو سکتی، یعنی وہی قاعدہ کہ عالم مغربی کی طرح عالم اسلامی میں بھی عورتوں کو حریت مطلقہ حاصل ہو، اور وہی قاعدہ جس کو فالح رفقی بک نے بیان کیا ہے، اور وہی قاعدہ جس کو ڈاکٹر عبد اللہ جودت نے پیش کیا تھا کہ ترکی نسل میں تازہ خون بہم پہنچانے کے لیے جرمن اور اٹالین قوموں سے شادی بیاہ ہونا چاہیے (جس پر ایک ترک نوجوان نے بگڑ کر کہا کہ ہم ترکوں کے خون کی طہارت اس سے بالاتر ہے کہ ہم اس کو پاک کرنے کے لیے یورپ والوں سے خون لیں) پس جب یہ قاعدہ قبول کر لیا جائے تو اس کے لازمی اثرات مترتب ہونے پر اعوذ باللہ کہنے کا کیا موقع ہے؟ لہٰذا اس نے چونک کر پھر کہا کہ میں اور مجھ جیسے لوگ شاذ ہیں، مگر قاعدہ کو تو ابد تک قاعدہ ہی رہنا چاہیے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم تو ہمیشہ سلطانِ وہم ہی کے ماتحت رہیں گے۔ اور یہ جو اپنی بہنوں کو یورپ والوں کے حوالہ کرنے سے ہم انکار کرتے ہیں، تو یہ بھی اقتضاء عقل و حکمت کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ اسی وہم کے اتباع میں ہے۔ یعنی وہ قاعدہ جو اباحت کا مقتضی ہے، وہ تو اپنی جگہ صحیح ہے، مگر ہمیں علانیہ اس کی اجازت دیتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہماری بہن کسی غیر مسلم نوجوان کے ساتھ ربط ضبط پیدا کرے اور نکاح شرعی کے بغیر اپنے نفس کو کسی کے حوالہ کر دے۔ ہم پر ابھی تک پچھلی تہذیب کا اثر رہے اس لیے ہمیں شرم آتی ہے۔ مگر ہمیں امید ہے کہ ہمارے بیٹوں یا پوتوں میں یہ چیز باقی نہ رہے گی اور سنہ ۱۹۶۰ء میں وہ مصری پارلیمنٹ سے اس قسم کی آزادی کو جائز تسلیم کرا لیں گے۔

© rasailojaraid.com

بہت سے لوگ جو میرے اس مضمون کو پڑھیں گے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اس موقع پر منہ بگاڑ کر بول اٹھیں گے کہ یہ کیا تم نے کہنا شروع کر دیا۔ اباحت اس حریت مطلقہ کے لوازم میں سے نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم عورت کی آزادی کے حامی بھی ہوں اور دین و عصمت کے پرستار بھی۔ جائز ہے کہ ہم بے پردگی کی دعوت تو دیں مگر ہم اپنی بہنوں کا غیروں کی زینت آغوش بننا پسند نہ کریں ہم ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ جن قوموں نے اپنی عورتوں کو آزادی دے رکھی ہے، اور جو پردے کے نام تک سے ناآشنا ہیں وہ مردوں کی نیک چلنی اور عورتوں کی عفت کی قدر کرنے میں ہم سے کچھ کم ہیں۔ عورتوں کی حریت کے ساتھ ان کی تعلیم بھی تو ہے۔ اور عورت جب تعلیم یافتہ اور مہذب ہو جاتی ہے تو اس کا علم اس کے لیے وہ حجاب بن جاتا ہے جو اسے فحش کاری سے روکتا ہے۔ یہ اور ایسی ہی بہت سی باتیں ضرور کہی جائیں گی جن کی بکثرت تکرار ہو چکی ہے۔ مگر میں اپنے ان دوستوں سے کہوں گا کہ ٹھیرو! ٹھیرو! جلد بازی سے کام نہ لو۔ تم بحث کے مختلف گوشوں کو خلط ملط کر رہے ہو، اور اس بحث کے اتنے گوشے ہیں کہ ان سب کا احاطہ ایک مقالہ میں نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے دو تین مقالے بھی کافی نہیں ہیں۔ عفت اور صیانت اور حفظ انساب اور اطاعت احکام دین کے ساتھ جو آزادی اور روکشائی ممکن ہے وہ صرف اس حد تک ہے کہ عورت اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلے، چلے پھرے، حسب ضرورت چہرہ بھی کھول دے۔ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔ اس نے چہروں کو ڈھانکنا فرض نہیں کیا ہے، نہ وہ اس کا حکم دیتی ہے کہ عورت جیتے جی مدفون ہو جائے۔ مگر تم کو نہ بھولنا چاہیے کہ یہ آزادی اور روکشائی غیر مردوں کے ساتھ خلاملا، اور غیر مسلموں کے ساتھ اختلاط کی حد تک نہیں ہے۔ اور اگر مسئلہ اسی حد تک محدود رہے تو اس میں وہ ترقی ممکن نہیں جس کو فالح رفقی اور عبداللہ جودت اور مصری نوجوان اور ایسے ہی بہت سے حضرات ترقی سمجھتے ہیں کیونکہ اس ترقی کیلئے صرف اتنی آزادی تو کافی نہیں ہے کہ

© rasailojaraid.com

ایک مسلمان عورت گھر سے باہر نکل سکے اور حسب ضرورت چہرہ کھول سکے۔ اس درجہ آزادی کے متعلق تو وہ بھی جانتے ہیں کہ وہ شریعت میں جائز ہے، اور صدیوں تک مسلمان عورتیں اس سے مستفید ہوتی رہی ہیں، وہ نکلتی تھیں لین دین کرتی تھیں، بڑے بڑے کاموں میں مردوں کے ساتھ شریک ہوتی تھیں اور شریعت ان کو نہ روکتی تھی۔ اس حد سے بڑھ کر جو حجاب ہے، وہ فرط غیرت کا نتیجہ ہے نہ کہ حکم شریعت پر مبنی لیکن یہ درجہ تو اس گروہ کے نزدیک ترقی کا ادنیٰ درجہ ہے۔ وہ جس آزادی کے طالب ہیں وہ بعینہ وہ آزادی ہے جو یورپین عورتوں کو حاصل ہے یعنی زینت وآرائش کے ساتھ نکلنا، جسم کے محاسن کو نمایاں کرنا۔ مردوں کے ساتھ خلوت وجلوت میں گھلنا ملنا، اور ازدواج میں اپنی خواہش نفس کے سوا کسی ضابطہ کا پابند نہ ہونا۔ اب میں کہتا ہوں کہ اگر یہی وہ چیز ہے جس کے تم طالب ہو تو پوری جرأت کے ساتھ اس کا اور اس کے تمام توابع اور متممات کا صاف اقرار کرو، اور اس مصری نوجوان کی طرح اس کے بعض شرمناک پہلوؤں پر اعوذ باللہ کہنا چھوڑ دو، کیونکہ آخر یہ بھی تو ایک نظریہ ہے، اور متمدن دنیا کے کروڑوں آدمی اس نظریے کے قائل اور اس پر عامل ہیں، کیا حرج ہے کہ تم بھی ہیئت اجتماعیہ میں ان کے ساتھ شریک ہوجاؤ۔ لیکن اگر تم ایک طرف اس حریت مطلقہ کے بھی طالب ہو اور دوسری طرف یہ بھی چاہتے ہو کہ مسلمان عورت عفت وعصمت اور ازدواج کے معاملات میں اسلامی حدود کی پابند رہے تو ہم کہیں گے کہ یہ نقیضین ہیں، ان کا اجتماع ممکن نہیں ہے۔ ایک جہت سے غیر مقید آزادی اور دوسری جہت سے صرف مسلمان کے ساتھ تعلق اور کلیۃً شرعی تعلق کی قید! کونسی منطق ہے جو ان دونوں کا اجتماع ثابت کرسکتی ہے؟

اگر تم اُس مقید آزادی پر قناعت کرسکتے ہو جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، تو شریعت اس کی پوری پوری ضمانت دیتی ہے، اور اس سے تم کو نہیں روکتی۔ اور اگر تم اُس مطلق اور مکمل حریت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے طالب ہو جو یورپ کی عورتوں میں پائی جاتی ہے تو خوب جان لو کہ اسلام اور ایسی آزادی باہم مجتمع نہیں ہو سکتے۔ جس کا جی چاہے اسلام کو اختیار کرے اور جو چاہے اس آزادی کو اختیار کرے۔ صرف یہی نہیں کہ اسلام اس کا مخالف ہے۔ بلکہ نصرانیت بھی اس کی مخالف ہے۔ نصرانیت بھی مرد و زن کے اختلاط بلا نکاح کو جائز نہیں رکھتی اور غیر مسیحی مرد کے ساتھ مسیحی عورت کے اقتران کو روکتی ہے بلکہ اس معاملہ میں مسیحیت کی قید اسلام سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اسلام نے صرف مسلمان عورت پر یہ پابندی عائد کی ہے کہ وہ مسلمان کے سوا کسی سے نکاح نہ کرے۔ مسلمان مرد کو وہ اس کا پابند نہیں بناتا۔ مگر مسیحیت مرد اور عورت دونوں پر یہ پابندی عائد کرتی ہے کہ وہ صرف مسیحی سے ازدواجی تعلق قائم کریں۔ پھر دین مسیحی اپنے پیرووں کو طلاق کے معاملہ میں بھی زیادہ سخت قوانین سے جکڑتا ہے۔ وہ مرد اور عورت دونوں سے طلاق کا حق سلب کرتا ہے اور اگر وہ اس کا اقدام کریں تو ان کے نکاح ثانی کی اجازت نہیں دیتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ دین مسیحی میں بھی عورت کی حریت مطلق ہے اور نہ تام۔ یورپ اور امریکہ میں جو لوگ ان قواعد کے خلاف عمل کر رہے ہیں وہ مسیحیت کے پابند نہیں ہیں، اور جو مسیحیت کے پابند ہیں وہ عورت کی حریت مطلقہ کے قائل نہیں ہیں۔

رہی یہ بات کہ جن قوموں میں حجاب نہیں ہے وہ عورتوں کی عفت و صیانت میں ان قوموں سے کم نہیں ہیں جو حجاب کی قائل ہیں، تو یہ ایک غلط بات ہے۔ اس معاملہ میں ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ اس فرق کو اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو مشرق کے عیسائیوں کو مثال میں نہ لیجئے، کیونکہ وہ بھی ہماری ہی طرح مقید آزادی کے قائل ہیں اور جن امور میں عفت کے لیے خطرہ ہے ان کو جائز نہیں رکھتے۔ صحیح مقابلہ عالم اسلام اور یورپ کے درمیان ہے، اور کون کہہ سکتا ہے کہ عفت اور صیانت اخلاق میں یورپ کا وہی درجہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو عالم اسلامی اور عالم نصرانی شرقی کا ہے ؟ یورپ کے ایک شہر پیرس میں جو فسق و فجور ہو رہا ہے صرف وہی تمام عالم اسلامی کے مجموعی فسق و فجور سے مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہے!

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ صرف تعلیم کے اثر سے عورت اخلاق کے اُس بلند مرتبے پر پہنچ سکتی ہے جہاں حجاب اور شوہر کی حفاظت سے وہ بے نیاز ہو جائے، تو باوجودیکہ ہم تعلیم کے مہذب بنانے والے اور اخلاق کو سنوارنے والے اثرات کے منکر نہیں ہیں یہ کہنا ہمارے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس معاملہ میں بجائے خود کافی ہے اور اس کے بعد قیود شرعیہ اور حفاظت زوجیہ کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ تعلیم (اور خصوصاً وہ تعلیم جو آج کل دی جا رہی ہے) نہ تو خوف کی قائم مقام ہے اور نہ تنہا اتنی قوت رکھتی ہے کہ انسان کو قانون اور اخلاق کی حدود سے تجاوز کرنے میں مانع ہو۔ ہم جانتے ہیں اور روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ علم کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے ہیں، ان کے علم و فضل نے ان کی عفت اور پاک دامنی اور افعال قبیحہ سے اجتناب میں کچھ بھی اضافہ نہیں کیا۔

مشرق کے باشندے علم میں مغرب سے بہت پیچھے ہیں، مگر فسق و فجور جتنا وہاں پایا جاتا ہے اتنا یہاں نہیں پایا جاتا، اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہاں مذہب کا اثر زیادہ گہرا ہے، اور عورتوں پر مردوں کی قوامیت باقی ہے۔ مسلمان اور مشرقی مسیحی عورت اپنے خدا سے بھی ڈرتی ہے اور اپنے شوہر سے بھی، اگرچہ وہ جاہل ہے، بخلاف اس کے اکثر و بیشتر مغربی عورتیں اب اس حال میں نظر آتی ہیں کہ نہ ان کو خدا کا خوف ہے نہ شوہر کا، اگرچہ وہ بہت تعلیم یافتہ ہیں۔

اب ایک اعتراض اور باقی ہے جو یقین ہے کہ ان حضرات کی طرف سے ضرور پیش کیا جائے گا جو اپنے آپ کو "صحیح الخیال" کہلانا پسند کرتے ہیں، اور جن کو دعویٰ ہے کہ ہم اوہام اور عقائد سے آزاد ہیں اور محض عقول علمیہ اور بصائر فنیہ کے بل پر جادۂ ترقی میں گام زن ہیں۔ وہ کہیں گے کہ ایک مسلمان جو اپنی بہن یا بیٹی کو کسی مسیحی یا یہودی یا بت پرست کے پہلو میں بیٹھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفرت کرتا ہے، یا ایک مسیحی جو اس کو گوارا نہیں کرتا کہ اس کی بہن یا بیٹی کسی مسلم یا یہودی یا وثنی کی بیوی بنے، یہ سب اوہام اور رسوخ عقائد کی تاثیرات ہیں، بلکہ یہ محض وساوس ہیں جن کو حقائق سے کچھ واسطہ نہیں۔ اسی طرح ایک مسلمہ یا مسیحیہ کے کسی مرغوب خاطر مرد کے ساتھ ربط ضبط پیدا کرنے پر جو ناک بھوں چڑھائی جاتی ہے، یہ بھی اوہام و وساوس کا نتیجہ ہے جو شدت تکرار اور مرور زمان کی وجہ سے شرف اور غیرت اور حمیت بن گیا ہے۔ علم کا کام یہ ہے کہ ان اوہام سے دلوں کو پاک کر دے اور ان میں حقائق کے سوا کسی اور چیز کے لیے گنجائش ہی نہ رہنے دے۔ دور حاضر کی بیداری کو جو سب سے بڑی خدمت انجام دینی ہے وہ تو اوہام کا استیصال اور خرافات کی فرمانروائی کا قلع قمع ہی ہے۔

اگر کسی کی طرف سے یہ اعتراض پیش کیا جائے تو ہم کو پھر اسی قاعدہ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جو فالح رفقی اور عبداللہ جودت اور اس مصری نوجوان نے بیان کیا ہے۔ یہاں ہم اس سوال سے بحث کرنا نہیں چاہتے کہ یہ قاعدہ بجائے خود صحیح ہے یا غلط۔ ہم صرف یہ کہیں گے کہ اگر تم یورپین تہذیب اور اس کے نظریات کو اسلام، اور عفت و طہارت کے متعلق اس کے نظریات پر ترجیح دیتے ہو تو علانیہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو اس کے تمام لوازم اور متممات سمیت اختیار کر لو اور جب اس کے ایسے شرمناک پہلو سامنے آئیں جو کسی طرح اس سے منفک نہیں ہو سکتے تو اس سے دامن بچانے کے لیے کج بحثیاں کرنا چھوڑ دو۔ پھر ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث باقی نہ رہے گی۔ البتہ اگر تم عفت اور طہارت کے ان اصولوں کا التزام کرو جو اسلام اور مشرقی تہذیب میں پائے جاتے ہیں اور عورت کے اخلاق میں عصمت کو وہ اہمیت دو جو ایک مسلمان اور مشرقی دیتا ہے، اور اولاد کے صرف اپنے باپ کی صلب سے پیدا ہونے کا اطمینان کرنا اتنا ہی ضروری سمجھو جتنا ہماری ملت میں سمجھا جاتا ہے تو اس بنیاد پر ہم اور تم بحث کر سکتے ہیں کہ ان اغراض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے وہ مقید آزادی زیادہ مفید ہے جو اسلامی شریعت نے عورت کو دی ہے، یا وہ غیر مقید آزادی جو یورپ نے اسے بخش رکھی ہے۔

پھر میں ان سے یہ بھی کہوں گا کہ انسان جب تک انسان ہے اور جب تک اس کے وجود کی یہ ترکیب باقی ہے ممکن نہیں کہ وہ اُس چیز سے خالی ہو جس کو "اوہام" اور عقائد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ کر صرف حقائق مجردہ کی بنیاد پر زندگی بسر کرے تو اس کی زندگی بہائم کی زندگی سے اشبہ ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر اگر حقیقت مجردہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو نکاح اور سفاح دونوں ایک نظر آئیں گے۔ عمل کے لحاظ سے اس شخص میں جو نکاح کرتا ہے اور اس شخص میں جو زنا کرتا ہے، قطعاً کوئی فرق نہیں۔ پھر کیا چیز ہے جس کی بنا پر ایک شخص اپنی بیوی کی عصمت میں ذرا سا بھی شبہہ پاتا ہے تو اسے طلاق دے دیتا ہے، اور اگر وہ کسی غیر کو اس کے ساتھ ملوث پا کر قتل کر دے تو دنیا کا کوئی قانون حتیٰ کہ جدید ترین جمہوری دیما قریطی قانون بھی اس کو مجرم نہیں سمجھتا؟ تم کہو گے کہ یہ صرف اس وجہ سے جائز ہے کہ زانی ایک ایسی عورت سے تمتع کرتا ہے جو ایک دوسرے شخص کی بیوی بن چکی ہے۔ مگر میں کہوں گا کہ اگر وہی عورت برضا و رغبت کسی اور شخص سے بھی ویسا ہی تعلق قائم کرے تو شوہر کے لیے کیوں جائز ہے کہ اس کو قتل کر دے اور وہ غریب اُسی فعل کی پاداش میں کیوں مارا جائے جو باعتبار تجرد حقیقت خود شوہر کے فعل سے کچھ بھی مختلف نہیں ہیں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ نوع انسانی کا اکثر و بیشتر حصہ اس پر متفق ہو گیا کہ یہ فعل سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کی ناپاکی سب ناپاکیوں سے بڑھ کر ہے، اور خاندان کے شرف و مجد کو تباہ کرنے والی کوئی چیز اس سے زیادہ نہیں؟ یہ سب آخر کیوں ہے؟ اور پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مرد و زن کا جو تعلق صورت شرعیہ کے بغیر انسان کی نگاہ میں آتا ہے وہی تعلق جب دو آدمیوں کی گواہی یا ایک کاغذ کی خانہ پُری سے قائم ہوتا ہے تو ناموس عظیم اور

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل شریف بن جاتا ہے، خود باپ اپنی بیٹی کو شاداں و فرحاں ایک شخص کے حوالہ کرتا ہے، اور عروس کے رشتہ دار اس پر خوشیاں مناتے ہیں، اور اسی بات پر مبارکبادیں قبول کرتے ہیں جو اگر اس طریقہ سے انجام نہ پاتی تو وہ کٹ مرنے پر طیار ہو جاتے؟ جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ فعل اگرچہ بقائے نوع اور تناسل کے لیے دونوں حالتوں میں یکساں ضروری ہے، لیکن انسان نے مدتوں سے یہ ٹھیرا لیا ہے کہ اتفاق شرعی کے ساتھ وہ حلال اور قابل فخر اور موجب تہنیت و شادمانی ہے، اور معاملہ شرعیہ کے بغیر فضیحت اور جنایت اور گناہ کبیرہ ہے۔ یہ دونوں اعتبار دلوں میں راسخ ہو گئے ہیں ان کی کوئی بنیاد بجز اس کے نہیں کہ ایک غیر معلوم زمانے سے نوع بشری میں یہی قاعدہ چلا آ رہا ہے، اور بالجملہ یہ "وہم" ہی ہے جس کو نفس عمل کی طبیعت سے کوئی علاقہ نہیں۔ یہ وہم خواہ کتنا ہی مقدس ہو مگر اس کا مقدس ہونا اس کو مجرد ایک اصطلاح اور قرارداد اور "توہم" ہونے سے خارج نہیں کرتا۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان جب تک انسان ہے اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس کے اعمال سراسر طبیعت اور مجرد حقیقت پر مبنی ہوں، اور اوہام و عقائد کا ان میں کچھ بھی دخل نہ ہو۔ حیوانات کے سوا کوئی مخلوق نہیں جس کے اعمال "اوہام" و خیالات سے خالی ہو کر صرف حکم طبیعت پر قائم ہوں۔

اسباب زوال امت علامہ امیر شکیب ارسلان کو ہم نے لکھا تھا کہ کوئی ایسی چیز بھیجئے جو آپ کے نزدیک مسلمانوں کے لئے مفید ہو۔ علامہ موصوف نے اس کے جواب میں ایک نہایت ہی اہم رسالہ ارسال فرمایا ہے مسلمانان ہندوستان نے ایسا عظیم مفید اور ولولہ انگیز مضمون بہت کم دیکھا ہوگا۔ تین آنے کے ٹکٹ بھیج کر ایک کتاب منگوائیں اور سوا روپیہ کی آٹھ کتابیں طلب فرمائیں مسودہ کا حجم ص۱۴۱ ہے۔
(پتہ) سکرٹری سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور۔

© rasailojaraid.com